

ایک اچھا ہوتا نہ دوسرا برا!..... بس دونوں مختلف ہوتے ہیں۔ مختلف گروں کی پیداوار آہستہ آہستہ جس طرح پچ  
انت نکلنے پر سخت سے سخت چیز کھانے لگتا ہے ایسے ہی میاں یوں چند ابتدائی سالوں کے بعد مشکل مقامات پر بڑے  
خوازے زد عمل کے ساتھ عبور پالیتے ہیں..... ”

ابن خاں نہ صرف کمرے سے خوش نکال بلکہ شادی کی ابتدائی تکلیفوں سے نلوہ فج گیا اور خوشی خوشی شادی بتانے  
گا۔

جس وقت شب بھائی کا وصال ہوا۔ اینق خاں پاکستان میں نہ تھا وہ اپنی پر جب انہیں سارے واقعات  
غزل نے نئے تو اینق خاں خاموش ہو گئے بڑی دری بعزو لے

”شب بچانے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا پسلے یعت نہ کرنے دی۔ پھر اب جبکہ ان کی ضرورت اتنی زیادہ  
تھی ہمیں یوں چھوڑ کر چلے گئے“..... اس کے بعد اینق خاں کئی دن کر سیوں پر قالین پر، اپنے کمرے میں،  
برآمدے میں، پلنگ پر ڈھیر سا بیٹھا نظر آتا جیسے وہ اندر ہی اندر کسی جگ سوپنل کو دوبارہ تکمیل دینے میں مشغول  
تھا۔ پھر ایک روز ایک نظم اس کے پلنگ کے پاس تپائی پر پڑی نظر آئی، میں جلدی میں تھی پڑھ کر محفوظ نہ کر سکی۔  
ہو ایں اڑی چند دن دروازے کے پاس کونے میں رہی۔ جھاڑو کے ساتھ ہمندو نے اسے کرہ پدر کرنا چاہا۔  
میں نے اسے انھا کر پڑھا لکھا تھا۔

شاید کل ہی اچھی گزرے

شاید موسم اچھا ہو

شاید دھنڈ کے پردے میں سے

چھتا سورج پورا ہو

شاید بے کل کل نہ ہو وے

شاید رستہ چھوٹا ہو

شاید باغ در تیچے میں اک

جانا جانا چڑھہ ہو

شاید رت رکنیں ہو جائے

شاید بادل چھایا ہو

شاید میرے شور کے اندر

اک سنا نا غالب ہو

شاید سب کو اہمہ گزرے



شاید پاکل راضی ہو  
شاید خود سے باتیں کر کے  
اپنا خواب ہی سچا ہو

شہاب بھائی کے جانے کے بعد آنے والی کل کا خوف پھراں پر غالب آگیا تھا۔ انہی خاں آنے والی کل

سے خوفزدہ نہیں..... گزری ہوئی کل کا زخم خود رہ ہے۔ غل غبارہ مجاہی، چپ چینیں گزرتی، ہنستی کھیلتی، ادا سی نرسا، بد لی کی طرح سبک، آندھی جیسی شہزادہ ڈالیاں ہلاتی، گرد اڑاتی ہر گزری ہوئی کل اپنا سارا موڑ، آذازیں، زنگ ایک پورا پور گرام منیٹر کر کے انہیں کے اندر چھوڑ جاتی ہے۔ پھر وہ آنے والی کل کی بند مٹھی کو نہیں دیکھتا.... للا ری کی طرح ان دھوئے ان چھوئے سفید دوپٹے کو گزرے ہوئے رنگوں میں رنگنے لگتا ہے منیٹر شہد پور گرام اسے بے خونی سے آنے والی کل کا سواست ہی کرنے نہیں دیتا.....

وہ لبے چوڑے شکامتیں، چھوٹی چھوٹی فردی باتیں بڑے شوق سے کرتا ہے لیکن خان صاحب کی طرح اصلی بات کو چھوٹی بڑی باتوں تلے چھپائے رکھتا ہے۔ تو رخ پہاڑ کے چیل میں پر بغیر بندوق کے چلنے والا انہیں خاں ان ساعتوں کی نگرانی کرتا ہے جن میں کبھی اسے خوشی ملی۔ خوف جیسے دشمن سے وہ ان چینگی پوٹوں کو چھپانا پنا فرض بھی سمجھتا ہے۔ اس میں اپنے باپ دادا کی روٹیں رہتی ہیں۔ جو بڑی بغیرت سے زندگی بر کرتی ہیں، اور غیرت کو ڈھال بنا کر آگے بڑھتی رہتی ہیں۔  
وہ نماق کرتا ہے لیکن شوخ چشم نہیں.....

وہ پیاروں کی نگرانی کرتا ہے لیکن اطمینان سے خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں بھی اطمینان ہتھیار بن کر اس کے خلاف استعمال نہ ہو.....

وہ قریب آنا چاہتا ہے لیکن پاس آ کر جستہ ہو جاتا ہے کیونکہ پنیر ای کا شوق پسلے ہی خوف نے کند کر رکھا ہے۔ اینی خاں کے خوف ان جانے، ان دیکھے Fear of the unknown سے لزتے ہیں انہی خاں کا خوف جانے پچانے، کیتلاغ میں درج، ثیپ شدہ، سمری کی شکل میں تیار پسلے سے ہی لال بھی جلانے والے ہوتے ہیں اور ہمیشہ اسے پچھے کی طرف و حکلیتے ہیں۔ دونوں وقت کے دھارے پر تھر تھر کا نپتے باد بانوں کے ساتھ چلتے ہیں۔ دونوں احتیاط سے قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہیں۔ اور اپنی کسی غلطی کو معاف نہیں کرتے ایک دفعہ یوں ہوا.....

رات کا دقت تھا۔ انہیں خاں پچھلے سی بلاک میں سائیکل پر سوار ہیزی کے سیل خریدنے گئے کچھ دری کے بعد بغلی گلی میں دھڑام سے مسائیکل گرنے کی آواز آئی۔ ہم سب باہر لان میں بیٹھتے تھے۔ اس شور پر سب کے کان

کھڑے گئے۔ اب انیس خان بھاگا ہوا آیا۔ اس وقت وہ نواب غیر تھا۔ آتے ہی اس نے کہا..... ”میں ہی بلا کر کے اپنے آرہاتھا کہ کچھ لوگ عجیب غریب لباس پہنے مجھے ڈرانے آئے..... میں میں..... میں“ اس کا چھوہ ہراس سے زرد تھا..... اس کی آواز میں لغوش تھی وہ اپنا تجربہ پورے کاپور ایمان کرنے سے قاصر تھا۔ میں اسے تسلی دینا چاہتی تھی لیکن مجھے معلوم تھا وہ ایسے لمحات میں ہمدردی کو قبول نہیں کر سکتا۔ وہ دہشت کے زخمی میں تھا لیکن اس کے ساتھ ہمدردی کرنا بھی ممکن نہ تھا.....

اب انیس رات رات جا گئے لاگوہ دوسری منزل میں ریکارڈنگ روم کے اندر تین تین بجے تک بیخوارتا۔ سگرٹیں پیتا اور خوفزدہ رہتا..... میں اوپر جانے والی سیڑھیوں تک جاتی چوری چوری ادھ کھلے دروازے میں سے سگریٹ کے دھوکیں کو دیکھتی۔ اس کا خوف عبادت کی طرح مقدس تھا۔ مغل ہونے کی گنجائش تھی..... جب اس کی شادی کی بات چلی اور ہمارے گھر میں ہر گھر کی طرح جگڑے پڑے تو میں اس کی رائے بھی معلوم نہ کر سکی۔ خال صاحب اس رشتے پر ضامندہ تھے اور مجھے یہ خوف تھا کہ انیس اس درجہ خوفزدہ ہے کہ اپنی اصلی خواہش کا کبھی بھی اطمینانہ کرے گا..... پھر بولوں ہوا.....

اسلام آباد میں شاہ بھائی پیلی فورڈ چار ہے تھے مفتی جی میرے ساتھ پچھلی سیٹ پر اور سامنے خان صاحب شاہ بھائی کی بغلی نشست پر بیٹھے تھے..... سڑک کے کنارے ایک پھل والے کی دو کان پر رک کر خان صاحب اور شاہ بھائی پھل خریدنے اتھ گئے۔ مفتی جی بولے ”قدسو۔ جب کبھی شاہ بھل کی دو کان پر میرے ساتھ جاتا ہے میں اسے ضرور اپنے لئے پھل خریدنے کو کھتا ہوں۔ تم بھی اس سے مانگا کرو..... ماگو..... ماگو..... برکت ملتی ہے.....“

برکت اور مانگنے پر بڑی دیر تک باشیں ہوتی رہیں پھر مفتی جی بولے..... ”اوے تم اندر ہے ہوشیلہ اور انیس کی شادی کیوں نہیں کر دیتے؟.....“ میں چپر ہی

”میں جانتا ہوں وہ تم اپنے خان نہیں مانتا..... اور دوسرا انیس پھان اندا خوفزدہ ہے کہ وہ اطمینان نہیں کرتا لیکن اس سے بہتر لڑ کی کمائی ملے گی؟“ میں پھر بھی چپ رہی.....

”اچھا میری نہ مان..... شاہ بھل سے بات کر.....“ میں شاہ بھائی کے پاس گئی دوزانوں بیٹھی لیکن مجھے کچھ کہنا نہیں پڑا..... نہ رشتے کے سلسلے میں نہ خان کی بار ضامندی کے بارے میں نہ انیس خان کی سفارش کے ضمن میں۔ ارشاد ہے!.....

”خوفزدہ ہونے کی کوئی بات نہیں سب کچھ اللہ کی رضا پر چھوڑ دیں۔ آپ دیکھیں گی ہر صورت میں وہی ہو گا جو آپ چاہتی ہیں.....“

”آپ دعا کریں؟“ میں نے حاجت سے کہا ”ہاں میں دعا کروں گا“ میں نے ان کی دعا کے بعد اللہ کی رضا پر کچھ نہ چھوڑا اور وہی ہوا جو میں چاہتی تھی۔

درactual شہاب بھائی ایسا پنڈوں میں جو یہشہ درمیان میں رہتا ہے۔ ان کے ارد گرد سب شدت پسند تھے کبھی داہیں کبھی بائیں..... لیکن وہ عین وہ طیں میں رہتے تھے۔

ان کے دوست رشتہ دار سب ان کا شاست تھے لیکن ان شدتوں کی وجہ سے انہوں نے کبھی کسی کو نہیں چھوڑا کسی کو نہیں تو کا کوئی نصیحت نہیں کی بلکہ صرف یہی امید رکھی ..... ”اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا .....“

وہ کما کرتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔ جن کا Willing ہے Wishing ہوتا ہے۔ ایسے ہی کچھ لوگوں میں ان کا شمار بھی تھا۔ جب وہ نیک نیتی سے آپ کے لئے دعا کر دیتے تو آپ کا کام فرو ہو جاتا۔ ان کی دعا سے ایسے ہی انیس اور شویلہ کا کام بن گیا۔ اب انہیں خال اس نکاح نامے کی بہت حفاظت کرتا ہے جس پر کیوں نہ شہاب کے دستخط ہیں۔ وہ کتنی کوتا تا تو نہیں لیکن اس کا خیال یہ ہے کہ بابے ہی اس کی کشتوں کے رہے ہیں۔ بابے ہی اس کے ہم سفر ہیں۔ بابے ہی درپر دہ اس کی بگڑیاں بناتے ہیں۔ اگر بابے اس کے ساتھ نہ ہوتے تو اب تک خوف کے بگولے نہ جانے اسے کمال اڑالے جاتے ..... جیسے کہیں سال اس کے چھوٹے بھائی امیر کو خون کا بگھیرا بھگائے لئے پھر تارہا.....

خواہشوں کی رسہ کشی عموماً لوگوں کو ایسے پیروں کی طرف لے جاتی ہے جو گنڈے تعویز سے عمل اور دعا سے خواہش پوری کرنا جاتے ہیں..... خواہشات کے حصول کے لئے پیر کپڑا اور بالآخر ایسے پیر کو جو تلاش حق میں ابھی خود کمزور نہ ہو چکر بنا کر لوگوں کا ضرورت مند بنا دیا یہی خواہش مند لوگوں کا کرشمہ ہے ..... جس طرح خواہش کا اجاع دنیا میں کرپشن کے دروازے کھولتا ہے ایسے ہی مقدمہ ”محبوب کی واپسی“ یہی کی نوکری ”شوہر کا موت سے چھکا کارا“ امتحانوں میں کامیابی، دشمن زیر پا، قرضے سے نجات، حصول دولت وغیرہ جب طاقت، روپے، رشوت، سفارش سے اپنے اختیار میں نہ آسکیں تو عام دنیادار پیر کے دروازے پر پہنچتا ہے لیکن وہ اپنی کرپشن ساتھ لے کر جاتا ہے اب پیر پر دولت، نذرانے، خدمت کا اثر ہونے لگتا ہے۔ خواہش پوری ہونے ہو..... کرپشن ضرور اڑ دکھاتی ہے۔

کچھ لوگ حصول علم کی خاطر پیروں کی چلیمیں بھرتے ہیں ان کی عقل ان کو ہر اساح رکھتی ہے وہ ”جاننا“ چاہتے ہیں۔ دین ان کے لئے جو میری ”الجبرے“ کا سوال ہے جس کا حل ہونا ضروری ہے۔ وہ قائل کرنے اور قائل ہونے کے لئے بابوں کے پاس جاتے ہیں۔ ذین، پر مغرباً تم ان کی عقل کو خیرہ کرتی ہیں۔ کسی بزرگ سے دین کا علم اخذ کرنا اور پھر اسے دوسرے کم علم کمزور لوگوں پر لاحقی، رسی، چوب، ہنکڑی، زنجیر،

بندوق کے طور پر استعمال کرتا ان کا محبوب مشغله ہوتا ہے۔ کسی بابے سے چایا یا ہوا علم عام آدمی کو دانشوری کی ایک جدا گانہ سند عطا کرتا ہے۔ اس Seat of learning کے سارے نہ صرف وہ اپنی کری ادھی کر سکتا ہے بلکہ دوسروں کے پائے بھی کاٹ سکتا ہے.....

چند ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی نے پنیر ای شمیں کی ہوتی۔ وہ جماں کہیں بھی جائیں گے گول سوراخ میں چکور بیخ بن کر وقت گزاریں گے۔ کسی کوان کی کوئی خاص پروا نمیں ہوتی۔ کوئی ان کی خاطر نہ انتظار کرتا ہے نہ آنسو بھاتا ہے۔ انہیں ڈیروں کے کتوڑے بننے میں ایک خاص قسم کی لذت ملتی ہے۔ تماں سے خدا والے ہو جانا..... کسی کو بھی belong کرنے کی اذیت سے نکل کر وہ ساری خدائی کو own کرنے لگتے ہیں۔ ایسے تھاتھا داد اس چھرے ڈیروں پر بڑے فعال ہوتے ہیں اور سب کو لنگر کھلاتے ہیں چٹائیاں، بچاتے ہیں۔ لوٹے بدھنیاں قطار میں لگاتے ہیں..... نلکوں پر لمبی ٹاکیاں باندھتے ہیں تاکہ پانی کے چھینٹے نہ اڑیں۔ جو تباں قطاروں میں آ راستہ کرتے ہیں اور ڈیرے پر ان کی اہمیت دن بہ دن بڑھتی جاتی ہے اور کم باسیگی کم ہونے لگتی ہے۔

کچھ لوگ ”ہیرودورشپ“ کے بغیر زندگی بر نہیں کر سکتے وہ ہمیشہ صاحب کمال لوگوں کے پیچھے چلنے میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ نامور موسيقار، اچھے اویب، قابل ڈاکٹر، رواں خطیب، بلکہ یوں سمجھتے کہ اپنے سے بہتر انسان کی ایک جملکی دیکھ کر یہ لوگ اس کی بڑائی کی نہ صرف تعریف کرتے ہیں بلکہ ایک طرح اسی کی بڑائی کو Simulate کر کے اپنی زندگی بس رکرتے ہیں۔ ایسے لوگ عموماً اپنی خواہشات، ان کے حصول اور بعد کی مایوسی سے نجک آ کر اللہ کے نیک بندوں کے حضور بیٹھے رہتے ہیں۔ انہیں یہ بات تحریر میں لے جاتی ہے کہ خواہشات کے بازار میں سے گزرتے ہوئے فقیر لوگ کیسے خواہشات کے دباو سے آزاد رہتے ہیں؟ عورتیں عام طور پر بھگت کے آشرم، فقیر کے ڈیرے، گیروے کپڑے والے شیاسی کے حضور، ہرے چونے میں ملبوس دریو زہ گر کے سامنے بڑی عاجزی سے حاضری دیتی ہیں۔ دنیاچونکہ عورت کے بغیر چلتی نہیں اور یہ عارف دنیا آخري سانس تک کسی نہ کسی بیچ پوتے کے لئے دنیا ہی ماگنگی رہتی ہے اس لئے ڈیروں پر جا کر عورت غیر شعوری طور پر تحریر میں چلی جاتی ہے۔ یہاں سے ”ہیرودورشپ“ کا مکمل چانس ملتا ہے۔ آرزوؤں سے لدی پہنندی وہ خواہشات کے پھل پتے جھٹرے درخت کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے..... پھر جس رفت، عاجزی حیرانی سے عورت ہیرودورشپ کرتی ہے کبھی کبھی اس جذبے سے بھگت کے تنبیکی ساری طنا میں اکھڑ جاتی ہیں، اور وہ عارف مولی نہیں رہتا..... گرست آشرم میں قدم دھر کر آہستہ آہستہ عارف دنیا بن جاتا ہے۔ اللہ اپنے پیاروں کو عورت سے اس لئے نہیں بچاتا کہ خدا نخواستہ جیلس ہے یادہ مرد عورت کی محبت کو اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے بلکہ خدا وجود کے گناہ سے اپنے فقیر کو نظر نہیں لئے بچاتا ہے کہ ایک بڑی عورت کا ساتھ ہو جائے تو پھر ہر مرد گھوشندا بنا نے، کھڑکیاں وروازے رکھنے، سودا سلف لانے پر مجبور ہے..... عورت کا کفیل ہو کر وہ اللہ کا آزاد چیزیں

نہیں رہ سکتا..... دنیا کا رخ کرتے ہی بسیط فضاؤں میں ازا ممکن نہیں رہتا..... بھگت ایک کھونے سے بندہ کر چھوٹے چھوٹے ناخنوں سے گھاس کھود رہتا ہے اور آزاد پرندوں کی طرح اڑنا بھول جاتا ہے..... عرفان ذات اور عرفان حق کا مسئلہ بھی کچھ لوگوں کو درپیش رہتا ہے.....

ان کے اندر کچھ سوالات کیروں کی طرح کربل کرتے ہیں۔ وہ اپنے وجود سے لے کر اللہ کی ذات بھی اور ناجھی کے الاڈیں جلتے ہیں۔ کبھی وہ دانشوروں کے گروہ میں بھکتے ہیں۔ کبھی کتاب ان کا آستانہ بن جاتی ہے اور کبھی وہ صاحب عرفان کی دبلیزیر جائیٹھتے ہیں۔ اگر کچھ مسئلتوں کا شانی حواب مل بھی جائے تو کچھ اور زیاد مسئلے سراخا لیتے ہیں۔ اس طرح پہلی لوگھتی ہی دوسرا لوگ انتظار شروع ہو جاتا ہے..... یہ لوگ کئی پر..... کئی آستانے، کئی ڈیرے، کئی بابے اور کئی کیفیتوں کی الجھنوں سے نکل کر بھی سوالوں میں گھرے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اندر تحقیق کے بغیر جانے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

کہتے ہیں کہ جتنے نفس پیدا ہوتے ہیں اتنے ہی راستے اللہ کی جانب نکلتے ہیں۔ جس قدر ڈھونڈنے والوں کی نہیں ہیں اتنی ہی راستہ دکھانے والوں کی بھی ہیں۔ کچھ لوگوں نے آسانی کے لئے پیروں کو جمالی اور جلالی کے وظقوں میں تقسیم کر رکھا ہے لیکن مزاج کے اعتبار سے یامسلک کے حساب سے پیر کو کسی بریکٹ میں بند نہیں کیا جاسکتا۔

کچھ نقیر جوانی میں عشق مجازی کی ٹھوکر کھا کر ایسے دل برداشت ہوتے ہیں کہ پھر انہیں ساری دنیا ٹھکر اکر لیکر اللہ کی ذات کا نکلی رہ جاتا ہے۔ ایسے بھگت عموماً جمالی ہوتے ہیں۔ شروں سے باہر اجاز میں رہتے اور فطرت سے پیار کرتے ہیں۔ ان کے پیروں پر ڈگر، کتے، بلیاں ہوتی ہیں۔ اگر ڈیرہ منظور نہ کریں تو پھر یہ غری غری بھرتے ہیں جو ملاسوں کا گزرے نہ ملا تو پڑ رہے۔ ایک بار مانگ کرایے تجربے سے گزر چکتے ہیں کہ پھر مانگنے کا تجربہ نہیں دوھراتے۔ ان کی واحد محبت پھیل کر سمندر کی لمبوں جیسی دور تک دائرے بناتی جاتی ہے۔ مخلوق ان کی تلاش میں بالکل ولیے رہتی ہے جیسے یہ کبھی اپنے مجازی محبوب کے دیدار کے لئے دیوانہ وار پھرتے تھے۔ یہ محبت کا ایک برا اگر ڈشیشن بن جاتے ہیں جس سے کئی علاقے کئی بستیاں روشن ہوتی ہیں۔ ان کی باتوں سے راضی برضا اپنے کی خوشبو آتی ہے۔ ان کے چلنے پھرنے میں عاجزی عبادات میں اللہ سے وصل کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ خلق سے جھپ کر برام کرنا چاہتے ہیں مگر لوگ انہیں ڈھونڈ نکلتے ہیں پھر خُب کے تعزیر، یا بچھے عورت کا علاج، ہمپرے دوست کی واپسی، گمشدہ بیٹھی کی تلاش کے لئے ان کا کما تیر بمدف مانا جاتا ہے..... اپنی اکلوتی خواہش کا بدلیاں دے کر یہ خواہشات کے حصول کا راستہ بن جاتے ہیں۔ ان کی مجبوری دوسروں کی سرفرازی بن جاتی ہے۔

کچھ اللہ کے پیارے اپنے نفس کی تاویب کرتے کرتے، احکامات کی پیروی، کڑی کاوش اور بست وظیفے اپنے سے دن رات بسرا کرتے ہیں۔ مٹھی بھرجو کھا کر چلو بھرتا پانی پی کر برس ہاہر س گزارتے ہیں۔ ایسے

بزرگوں میں کبھی کبھی وہ چور بھی ہوتے ہیں جو قطب کے درجے کو پہنچتے ہیں۔ احسان جم کی تاب نہ لا کر سید حما کھڑے رہنے والا فقیر روحانی دنیا کا بڑا ہی طاقتور پبلوان ہوتا ہے، ان کی طبیعت عموماً جلالی اور دینے کا انداز بادشاہوں کی طرح ہوتا ہے۔ کبھی سلام کئے جانے پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور بسا اوقات گالی دینے پر خلعت بخش دیتے ہیں۔ یہ جن کو پھر ایسٹ مار دیں جائے وہ پار ہو گیا جس کو تھپڑ جھا پڑا پر گئی، اس کی خواہش ٹھکانے لگی۔ جس طرح پبلوان کا کسرتی جسم طاقت میں عام آدمی سے زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے رو حافی ڈولے بڑے بڑے کارنا مے کرتے ہیں ان کی بد دعا، سناء، دعا سے بھی زیادہ سریع التاثیر ہوتی ہے۔

کچھ فقیروں کو ابھی آدمی آج کی کسر ہوتی ہے وہ کلی طور پر اپنی خواہشات پر ڈھکنا لگنے کا فن نہیں جانتے۔ ان کا فس رسی سے ضرور بندھا ہوتا ہے لیکن رسی پورے شربرابر لمبی ہوتی ہے۔ ایسے فقیروں کا تکمیر بادشاہوں جیسا، گنتگو بظاہر کسر نفسی سے ڈھکی چھپی پر اندر سے انکی سان پر چڑھی ہوئی، نیند کے ماتے، آرام کے رسیا۔ خلق خدا میں بیٹھنے والے یہ فقیر لوگ وراصل رو حافی دنیا کے نیم حکیم ہوتے ہیں۔ جس طرح راشی اور مرتشی ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتے اور برابر کے گناہ گار ہوتے ہیں ایسے ہی خواہشات کے پیچھے دیوانے لوگوں کے بغیر ایسے ڈپریوں کا کاروبار نہیں چلتا۔ یہ لوگ بستیوں کی پیچ، خلق میں ہر دم گھٹے ملے رہتے ہیں۔ شاید ان کی خواہش بھی اللہ کے ہاں کچھی حضوری سے ہی شروع ہوتی ہو، پر خواہشات سے عاجز آئے ہوئے بندے انہیں استغفار کی سیرھی چڑھنے نہیں دیتے۔ رفتار فتادیے ڈپریوں کی ٹھکل، رہن سن، بالکل کسی متول شخص، جیسا ہو جاتا ہے۔ ڈپرے کے آگے گاڑیاں، کمروں میں ایر کنٹرینڈ، بچوں کی تعلیم اگریزی سکولوں کی، شرکے تو گنروں سے میل ملاقات، لباس فیشنی ہونے لگتا ہے۔ یہ نہیں کہ ان فقیروں کو اللہ کی تلاش نہیں ہوتی لیکن ان کا حال بالکل دیسا ہوتا ہے کہ یہودہ تورندا پاکائتی ہے پر غذے کا نہیں دیتے۔ یہ توراہ مولا پر چلنے کے خواہشند ہوتے ہیں پر لوگ انہیں قدم اٹھانے نہیں دیتے۔ یہاں بھی جھگڑا دال چپاتی کاسار ادن چلتا ہے اور خلق یہر کو اپنے ہی رنگ میں ڈھانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

کچھ بھگت نظریں پیچی کئے جو تیاں گانختے، چار پائیاں بنتے، باڑھیں کانٹتے، ہائی کورٹ کے سامنے ملیں لکھتے، چھپے چھپے اپے اپنے رزق حلال کمانے میں معروف پر اندر کی ست نمادرست رکھتے ہیں۔ بنکوں میں، گھروں میں، سائیکلوں پر، کاریں چلاتے ہوئے، کالا کوٹ پہنچے، بائیسوں گریڈ کے باوجود پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ہر پروفیشن میں آپ کو ایسے اللہ کے پیارے نظر آئیں گے جو دنیا میں ہیں لیکن اس کے طلب گار نہیں ہیں۔ ان کی مسکراہٹ سدا بہار، آواز پیچی، چلت پھرت نامحسوس، کام درست، احکامات کم، ضرورت میں نامعلوم، پسند ناپسند واجبی، گنتگو ضرورت بھر، اور خلق خدا سے رابطہ شفقت کا ہوتا ہے یہ ایسے پیچ ہوتے ہیں جن کے پاس کلی پورث فلیو نہیں ہوتا۔ یہ نہ کسی ولایت سے نکلنے کی میں گھنے کے خواہشند ہوتے ہیں۔ بس ہن کا وجود فطرت کی طرح مخصوص ہوتا ہے کہ فطرت

بھی ہر گھری کبھی طلوع آفتاب کے ساتھ، کبھی خوبیوں کو بھی کبھی بھلوں کو پیش کر کے، کبھی بھلوں میں بس کر، آبشاروں کی صورت، جھرنوں میں جملنا کر خدا کے وجود کا اعتراف کرتی رہتی ہے۔ یہ لوگ بھی بڑی مخصوصیت سے، شور چائے بغیر صرف اپنے وجود کے حسن سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔

رجوع کرنے والوں میں سے ایک قسم وہ بھی ہے جن کا اللہ سے ”نحوں“ لگ جاتا ہے یہ سدا سماں نہیں دن رات اسی کے نام کا دیا جاتا، اسی کے جس گاتی رہتی ہیں۔ ان کے آنکن اس نام کے انتظار میں سلگتے اور ان کے تن میں اسی کے نام کے کیڑے پڑے رہتے ہیں، یہ مجدوب صفت لوگ کبھی خلق کی طرف راغب نہیں ہوتے کیونکہ لوگ ان کا وقت ضائع کرتے ہیں اور ان کے نہ ایک جو دم غفلت میں گزرا وہی رائیگاں رہا۔

اللہ کے فقیروں میں وہ بھی چیدہ چیدہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ اپنے لئے پسند کر لیتا ہے ان کے ماتھے پر لاث، ہاتھ کی پوروں میں چکر، آتما میں آندہ، شانستی ہوتی ہے یہ بچپن سے درود و سلام بھیجتے تا بھی کی عمر سے فضاوں کی رمزیں سمجھتے ہیں۔ ان کا وجود خوف اور حزن سے پاک ہوتا ہے، یہ دنیا، مصروفیات گرہست کو اپنے ستر کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ بیرون میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے ان کے اندر کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اندر ہیشہ حمد و شاچاری رہتی ہے..... ان کا وجود محبت، عمر مادر توکل کا مظہر ہوتا ہے۔

علی ہذا القیاس.....

ذہونڈنے والوں کی بھی ان گنت فتنیں اور پانے والوں کا بھی رنگارنگ وجود لیکن اشیر خاں ان میں سے کسی وجہ سے بھی شاب بھائی کے قریب نہ ہوا تھا۔

شاب بھائی کے وصال سے کچھ دن بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک بست اونچا پھاڑ ہے جس کی بلندی نیلگوں دھنڈ میں ملی جاتی ہے۔ اس چھوٹی سی جوٹی پر ایک نحاما ناپ سکون گھر ہے جسے سوین یا ناروے میں ہوتے ہیں۔ اندر کمروں میں سرخ رنگ کا لپ پ شیڈ سرخ سرخ روشنی سے جگگار رہا ہے۔ باہر ایک چھتردار برد کا درخت لگا ہے جس کے نیچے ایک سفید نجف پر شاب صاحب بیٹھے کچھ پڑھنے میں مشغول ہیں۔ پھر خواب کٹ نوکٹ ہو گیا۔ پھاڑ کے نشیب میں یوگی اشFAQ ان کے تینوں بیٹیاں اور میں کھڑے ہیں۔ خاں زور سے آواز دے کر پوچھتے ہیں ”قدرت اور کیسے آؤں؟“

شاب بھائی ایک لمبی سی رسی نیچے چھکتے ہیں اس رسی میں دو دو فٹ کے فاصلے پر موٹی موٹی گریں پڑی ہیں۔ پلتی آواز دے کر شاب بھائی کہتے ہیں ”اشFAQ اشیر کو سب سے پچھے رکھنا تم میں سے اگر کوئی گرے گا تو وہ اسے سنبھال لے گا۔“ ہم پاچوں ہانپتے کانپتے پھاڑی کے اور پنچتے ہیں۔ شاب

بھائی کے گھر کے ارد گرد لو ہے کی تو کیلئے کافیں والی باڑھ ہے جس پر سے کو دنابے حد مشکل نظر آتا ہے  
شہاب بھلی ایک قالین نوکیلی باڑپر چھکتے ہیں اور کہتے ہیں اشیر خاں کو آگے کرو وہ ایجیلیٹ آدمی ہے تم  
سب کو چھلانگ میں مدد دے گا.....

اشیر خاں ہمارے گھر میں کسی دوسرے شہاب مثاق کا آدمی ہے ..... یوگی اشغال کے ہاتھ میں  
جو ترشول ہے وہ شونگ فور ک کی طرح سروں سے پر ہے۔ ترشول کی سب سے تیکھی، جاندار اور سر بھری  
نوک اشیر خاں ہے۔ وہ سارے گھر میں بگولے کی طرح پھرتا ہے کبھی کھانے کے کمرے میں۔ کبھی لمبے  
بر آمدے میں۔ کبھی چھٹ پر کبھی لان میں ..... اس کے خوف نوں جماعت میں مانع سے گیس  
بنے اور خوابوں کی شکل میں اشیر کے ہم رکاب ہو گئے۔ اب اس نے اوپر کوٹھے پران خوابوں کی پناہ میں  
چنان شروع کر دیا ..... وہ کرکٹ کھیلانا چاہتا تھا ..... ہمارے محتاط اندازے یہ تھے کہ کرکٹ کے سارے  
زندگی بر نہیں ہو سکتی۔ وہ پائلٹ بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ ہماری رائے میں پسلے ہی پاکستان میں پائلٹ  
کے پروفیشن میں saturation آگئی تھی۔ اس نے ایم بی اے کے لئے آئی نوئی کافارم منگوایا .....  
میں نے اپنے خوف اس پر مسلط کر دیئے اور باہر جانے سے روک دیا ..... اشیر کے بھائی اپنے اپنے  
خوف سے رہائی نہ چاہتے تھے۔ ان دونوں نے میری طرح اس اندازے میں ڈاگ کے ساتھ رہنا کیکھ لیا  
تھا۔ لیکن اشیر خاں ہمارے گھر میں سب سے مختلف ہے ..... وہ خوف سے رہائی چاہتا ہے اور ایک ہی  
جست میں کسی ایسے مقام پر پہنچانا چاہتا ہے جہاں دلیری، سچائی اور محنت کسی مجرم سے حاصل ہو جاتی  
ہے۔ اشیر خاں کے خوف اے ambivalence کے دروازے پر لے آئے جس کا ایک پٹ  
نفرت اور دوسرا محبت سے بند ہوتا ہے۔ میرے دونوں بڑے بیٹے خوف کی چادر تاں کر سوکتے ہیں، کھلپی  
کر سوکھی زندگی بس کر سکتے ہیں۔ بقول تلقین شاہ۔

پالا گئے رات نو ..... مینوں وکھاں واکمل دے

میں اوکھا ون گزاریا ..... مینوں سوکھا ہوون دے

لیکن اشیر خاں مختلف ہے جیسے وہ اس عمد میں رہ رہا ہو جب ابھی اسلام کا پیغام نہ پھیلا تھا۔ وہ اندر  
ہی اندر ایک بڑے پیام کی سرگوشی کسی سے کرنا چاہتا ہو لیکن خوف نے اس کے لب سی رکھے ہوں۔ وہ  
گھر سے گھر تک ..... ایک شخص سے دوسرے تک ..... گلیوں میں، بازاروں میں ..... گھومتا ہو ..... لوگ  
اسے کھجور کھلا کر پانی پلانا چاہیں ..... وہ بھی پیٹنا چاہے لیکن پی نہ سکے ..... اندر کے کرب پر منہ بند  
خوف کا ڈھنکا گھولنا چاہے لیکن صرف پھر تار ہے۔

یہ صبر کی کیفیت اس میں بہت بچپن میں پیدا ہو گئی تھی۔

ابھی وہ تیری جماعت میں پڑھتا تھا جب اچانک اسے تیز بخار آنے لگے۔ کئی ڈاکٹروں کو دکھایا۔



Scanned By Wagar A

بہت علاج کئے بخار دب جاتا۔ کچھ دن فتح رہتا، پھر سر نکال لیتا۔ اس بخار کی عجیب کیفیت تھی چڑھتی ہی کبھی ۱۰۲ اڈگری ہو جاتا۔ کبھی ۵۰ اڈگری سے بھی تجاوز کرنے لگتا۔ لیکن اشیر خال بخار میں بھی میری تسلی کا باعث رہتا۔ اپنی مخصوص زبان میں کہتا.....

”ایم ٹھیک ہو جائے گا۔ اتر جائے گا بخار.....“

بخار اتنے سال آتا رہا کہ اس کے دانتوں کار بک پلی اینٹ جیسا ہو گیا۔ آنکھیں زرد اور چہرہ باسی رہنے لگا پھر ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ اسے Liver abcess ہے..... جونی آپریشن ہو گا بخار کی کیفیت جاتی رہے گی جس وقت اسے آپریشن تھیز سے باہر لائے اسی شام اسے دبادہ بخار آئے گا۔ پھر ایک صحیحہ ہوا.....

صح کے وقت ڈاکٹر احمد خال نے داستان سرائے کا دروازہ کھلکھلایا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ بولے ..... ”کیا گھر پر کوئی بیمار ہے؟ رات میں نے خواب دیکھا جیسے تمہارے گھر میں خیریت نہیں“ - ڈاکٹر احمد خال ملتان میں ڈاکٹر ایکر لیکچر ہوا کرتے تھے اور شغل کے طور پر ہومیوچمی کا علاج کرتے تھے۔ میں نے اپنے بیٹے کا حال سنایا۔ انہوں نے مجھے کہا.....

”چونکہ خواب میں بشارت ہوئی ہے اس نے میرے علاج سے انشاء اللہ پر ٹھیک ہو جائے گا تم باقاعدگی سے علاج کرنا.....“

میں باقاعدگی سے علاج کرنے لگی لیکن مجھے ہومیوچمی پر اعتماد نہیں تھا۔ میرا خیال تھا جو اتنے بحقن سے ٹھیک نہیں ہوا اس کی زندگی کا کیا ہمروز۔ اس لئے نہ میں اسے کبھی پڑھنے دیجی نہ کسی چیز سے منع کرتی۔ اشیر گذیاں اڑاتا، بندوق لے کر چھپکلیاں مارتا، کرکٹ کھیلتا..... اسے وقت ضائع کرنے پر کسی نے کبھی نہ ٹوکا..... بیماری کے یہ سات سال ہر وقت خداں کا موسم رہا..... آہست آہست ڈاکٹر احمد خال کے علاج سے اشیر رو چھوت ہونے لگا۔ لیکن اس سماں وقت کا اس کے دل پر ایک عجیب سا اثر رہا۔ اس نے اپنی ڈاکٹری میں سب کی نظریوں سے چھپا کر ایک مرتبہ لکھا.....

”انسان کی سوچ ایک عجیب چیز ہے۔ ایک خیال کی کمی بیشی سے انسان خود کشتی سے اتر جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ آٹھ سالوں میں میرے ساتھ ہوا وہ آپ کے ساتھ بھی ہو رہا ہو..... سوچ اور پھر سوچ۔ بچپن میں کسی وجہ سے نہ تو آپ سے کوئی امیدر کی جاتی ہوا ورنہ ہی آپ میں کوئی تفہیم رکھی جائے کہ آپ نے کیا کرتا ہے؟ ماں باپ اور ووسروں کی محفل میں خوشی اور راحت تو بت محسوس ہوتی ہے لیکن جب وقت گزر جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوچ اب عادت بن گئی ہے۔ ایسی سوچ جس کو آپ کا ضمیر پسند نہیں کرتا جو آپ کو عمل

سے دور لے جاتی ہے۔ ایسے میں دعا کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جو آپ کو اس سوچ کی مصیبت سے بچائے سب کچھ روٹین میں بدل دے اس طرح خیال کا پنڈولم کبھی اس میدان میں کبھی اس میدان میں رہتا ہے حالانکہ میدان تو صرف ایک ہے.....  
مجزے کا میدان ..... اور صاحب مجروہ کی دعا ..... اسی دعا کے سارے انسان دوبارہ کشٹی پر سوار ہو سکتا ہے .....

اشریخاں ایک مجزے کا منتظر تھا بالکل ویسا مجروہ جیسا اس کی صحت کے ضمن میں ہوا تھا۔ اسے ان ہونیوالی کی آس تھی۔ وہ اپنی ذہانت اور جذبے دونوں سے خوفزدہ تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کہیں اندر ہی اندر ان دونوں میں بغیرِ نگافاو ہوئے سمجھوتہ ہو جائے ..... وہ شباب بھائی سے فقط اس مجزے کی آس رکھتا تھا کہ وہ اسے ہر خوف سے نجات دلادیں۔ سوچوں سے آزاد کریں۔ اور عام کی کشٹی پر معنوی سے مسافر کی طرح چڑھادیں۔

اس مجزے کے انتظار میں اس نے کئی برس کتے ہی میل اپنے پیروں پر پیدل گزارے تھے اور منہ بندر رکھتا۔ آنکھوں کو چھلا چھل جلتے سے روکا تھا۔ وہ مجزے کا انتظار کرتا تھا۔ جیسے اسلیخ ختم ہو جانے پر بہادر جرنیل لکھ کا انتظار کرتا ہے۔ اس نے اپنی بندوق کسی کو مستعار دے دی تھی۔ سائیکل گیراج میں لاک پڑا رہتا تھا۔ کر کٹ وہ کھیل آکھیں بال پر لیکن کان کسی اور آواز پر لگے رہتے۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ آواز کماں سے آئے گی؟

اسی لئے شباب بھائی نے آواز دیئے بغیر اسے اپنے قریب کر لیا۔ ویرتک ارض و سامانِ منتظر ہیں تو ٹھہری ہوا ایک دن ضرور حلپتی ہے انگوڑ کے خوشے آپی آپ میٹھے رس سے جھل جھلاتے ہیں۔ ایشی مجزے کا آدمی ہے اور مجروہ ہو گیا..... اشریخاں محنت کو مانتے لگا۔ روٹین پر ایمان لانے لگا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ مجزے کی اصلی روح یہ ہے کہ انسان کسی مجزے کا انتظار نہ کرے۔ جب بھی شباب بھائی آتے اشریکی حالت کچھ اور ہوتی۔ وہ شباب بھائی کے تھاں میں رہتا۔ جیسے کوئی نوجوان کنڑیں پر آنے والی لڑکی کا انتظار کئی درختوں کے چیچھے باری باری چھپ کر کرتا ہے وہ

شاب بھائی کے قیام کے دوران گھر سے باہر شاہزادی جاتا۔ اس کے کان ان کی آواز پر لگے رہتے ..... سب کی نظر سبچا کر وہ شباب بھائی کے کمرے میں جایا کرتا اور ان کے پاس بیٹھتا۔ شباب بھائی اسے سمجھاتے ..... "عام آدمی اور خاص آدمی کے سفر میں فرق نہیں ہوتا۔ دونوں جب کچھ ہوتے ہیں تو ہمیتے کھیتے ہیں۔ جو ان ہونے پر عشق کرتے ہیں۔ محنت سے گھر کی دیکھو دیکھ کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عام آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ ایک رستہ کس وقت بندگی میں ختم ہوتا ہے وہ اگر عشق کرتا ہے تو

ساری عمر، او میرہو کر کبھی بڑھاپے میں بھی اسی زلف ہی رہتا ہے وہ اگر کھانے پینے کا، بُسری بجانے کا، خوش لباسی کا، خطوط نویسی کا..... غرضیکہ کوئی بھی شوق پاتا ہے تو آخری وقت تک ان ہی مشغلوں کے سارے جیتا چلا جاتا ہے۔ اس میں نہ بڑھاپے کی Acceptance پیدا ہوتی ہے نہ ہی ارتقاء کا حوصلہ..... میں ایک زمانے میں ول رہا جاتا تھا، لیکن پھر اس شوق کی منتبا پر پہنچ کر مجھے لگا کہ میری روح کی پہنائی کے لئے یہ کم ہے..... رفتہ رفتہ..... آہستہ آہستہ شوق..... بھی پورے ہو کر، بھی ادھورے رہ کر، بھی Consume ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو آدمی اللہ کے راستے کا شوق پال لیتا ہے وہ ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے وہ اس شوق میں کچھ نہیں پاسکتا اس لئے چلتا رہتا ہے کی مجھے کرامت کی راہ نہیں دیکھتا۔ اور حسن خاتمه پر منبت ہو جاتا ہے..... جو آدمی بڑھاپے میں اپنا جسمانی قوت کا مظاہرہ کرتا ہے، بنی پکڑتا ہے، جو گلگ کرتا ہے اور اپنے آپ کو جوان ثابت کرنے کے لئے بال رنگتا ہے، صحت مندی کے ذریعے اپنی فلاج چاہتا ہے..... جو بیماری، سفیدیاں، کمزور نامگوں، بے مصرف زندگی کی افادیت کو نہیں سمجھتا وہ حسن خاتمه کا طالب نہیں ہو سکتا اور نہیں ہی اس تک پہنچ سکتا ہے..... جوانی لوٹ آنے کا مجھے ہو نہیں سکتا اور بذھاریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اس لئے صرف Pedestrian رہو..... خود بخوبی خوف کے نرغے سے نکل جاؤ گے..... چلتے رہنا بذات خود

ایک مجرے سے کم نہیں.....

اشیر خاں کی کوشش ہوتی جمال بھی شہاب بھائی جائیں وہی ان کا ذر ایمور ہو۔ وہ دھیان رکھتا کہ سونے سے پسلے تھرموں میں پانی ڈال کر ان کی ڈرینگ نیبل پر کھا جائے۔ شہاب بھائی پانی مانگتے تو وہ برف کوٹ کر ایسا ناخ پانی لاتا کہ وہ خوش ہو جاتے۔

”آج اشفاق علی خاں کے گھر چلیں گے؟“

”بھی اچھا.....“

وہ وقت سے پسلے تیار ہو کر ان کے دروازے کے باہر بیٹھ جاتا۔

”آج مسعود کے گھر جانا ہے..... مسعود کھدر پوش.....“

”بھی اچھا.....“

اس نے ہم سے کبھی دل کی بات نہ کی لیکن جب بھی وہ ان لمبی ڈرائیورز پر جاتے اپنے خوف اور ان سے جنم لینے والے خوابوں کا ذکر شہاب بھائی سے ضرور کرتا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ شہاب بھائی سب کچھ سننے کے بعد کہتے ہوں گے.....“

Let it pass

کیونکہ شہاب بھائی نہ تو کسی کے حالات میں دلچسپی رکھتے تھے..... نہ مسائل کا سلب جاؤ کرنا چاہتے تھے.....

بس وہ ہماری الجھنوں کا بوجھ کسی مافق الفطرت طریقے سے اٹھایتے تھے..... مسئلہ رہتا تھا..... لیکن تکلیف باقی نہیں رہتی تھی..... حل نہیں ملتا تھا لیکن یوں لگنے لگتا کہ اب مسئلے کے حل کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اشیر خاں کی وجہ سے شاب بھائی کے کچھ اور پوت کھلنے لگے اب وہ کھانے کے بعد سونے سے پسلے ہمارے کمرے میں آ جاتے، صوفے پر بیٹھتے اور اپنی اس ناگ کو آگے پھیلا کر بیٹھ جاتے جس میں حیات ختم ہو چکی تھیں۔ اس ناگ کے نیچے اشیر خاں گدی رکھ دیتا۔ ان محفلوں میں عموماً ہمیں بڑا موجود نہ ہوتا۔

اینی خاں اور غزل، ائمہ خاں اور ثولہ، اشیر خاں اور میں ان کی پھیلی ناگ کے ارد گرد انگریزی کے "یو" کی مشکل میں بیٹھ جاتے۔ فضامیں اشتیاق، حسرت، تحریر پھیل جاتا۔ بظاہر یوں لگتا جیسے اشیر خاں غیر متوجہ ہے وہ گروہ سے الگ تھلگ بیٹھتا۔ نہ سنا تھے سوال کرتا۔ بس شاب بھائی کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتا۔ ایک روز جب ثولہ چائے انڈیل رہی تھی اور غزل سب میں مخلحی بانٹنے میں مشغول تھی ائمہ نے سوال کیا..... "شاب چما غصے کو دور کرنے کی کوئی ترکیب بتائیں.....؟" چھپا ہوا غصہ، اعلانیہ آنے والا..... نہ ملنے والا الغصہ"

شاب بھائی مسکرائے پھر چائے کی پیالی و صوصوں کی اور بڑی درد مند آواز میں بولے..... "غصہ دراصل آنا ہی نہیں چاہئے۔ اگر آپ واقعات، حالات، چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے میں سے گزر جانے دیں جیسے پانی چھلکی میں سے گزرتا ہے تو بہت جلد اسی عادت بن جائے گی کہ غصہ کم آنے لگے گا....." اشیر خاں نے بغیر نہ یہ چھلانی قبول کی۔

"لیکن شاب چاہا ہمارے اندر توجہ کسی بات پر غصہ چڑھ جائے تو کسی طرح گزرتا ہی نہیں" - غزل بولی۔

"مثال کے طور پر کسی نے آپ کو کچھ کھاتا اب اس بات پر ری ایکشن فرم نہیں کرنا۔ بس بات آئے اور گزرتا جائے۔ مشکل ساری یہی ہے کہ آپ رد عمل کے طور پر یا تو کچھ کرنا چاہیں گے یا جواب دینا چاہیں گے۔ ان دونوں چیزوں سے بریز کرنا ہے۔ بات آئے بری لگے لیکن Let it pass

"برداشکل ہے..... شاب چجا" اینی خاں بولے

"ہاں مشکل ہے لیکن زیادہ نہیں تھوڑی سی پریکش سے غصے پر قابو پایا جاسکتا ہے شروع میں آپ صرف برے عمل سے بچیں..... مثلاً غصے میں پلیٹ نہ تو زیں..... کسی کوفون نہ کریں..... تھپڑنہ ماریں ہاتھ نہ چلا کیں"۔

ثولہ نے اپنی شد رنگی آنکھیں حیرت سے کھول کر پوچھا "پر وہ کیسے شاب چجا..... ناممکن

ہامکن....."

"پہلے پہل صرف ہاتھوں کو قابو میں کریں..... رفتہ رفتہ زبان کو کٹھوں کریں..... اس کے بعد اندر کے خیالات کی باری آئے گی..... اندر سوچ بھی غصے والی نہ رکھیں..... جب آپ واقعات، گفتگو، حادثات کو پاس کرنے کی اجازت دیں گے تو زیادہ دیر نہیں گزرے گی اور آپ کی اتنی پریکش ہو جائے گی کہ اول تو عام باتوں پر غصہ نہیں آئے گا..... پھر آہستہ ..... آہستہ آہستہ خاص باتوں پر بھی انا بخود نہیں ہوگی..... اس سے آگے ایک وقت ایسا آئے گا جب غصہ انہی وجہ سے آئے گا ہی نہیں....." اور جب تک اتنی پریکش نہ ہو اور غصہ آجائے تب ..... تب کیا کریں شاب پچا ..... "انیس خان بولے۔

شاب بھائی نے اشیر خان کی جانب ذرا سادی کھا اور بولے ..... "اگر کبھی زبان اور ہاتھ چل جائیں تو پھر آسان طریقہ ہے ..... دل سے پیشان ہوں اور وورکعت نفل نماز کفارہ ادا کریں۔ نفس پر یہ سزا بہت گراں گزرتی ہے ..... جب دن میں کئی بار غصے کے عمل سے نالاں ہو کر نفل پڑھنے پڑے تو بہت جلد غصہ کم آنے لگے گا ....."

"پھر میں تو سارا دن جائے نماز پڑھی رہوں گی ..... "وثیله نے کہا۔

"میں بھی ..... "غعمل بولی۔

"اور میں بھی ..... "انیس خان نے کہا۔

"اور میں تو پہلے ..... انیس بولا۔

سب پہنچے گے ..... لیکن اشیر خان چپ رہے۔ وہ بغیر نے آنک رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہو گا؟ عجلت، لاپرواہی، غصے کی طنزیں کیسے کھینچنی ہوں گی اور شاب بھائی کی بات کو زندگی میں کیسے سونا ہو گا ..... پھر ایک روز یوں ہوا

شاب بھائی ہمارے کمرے سے جانوا لے تھے۔ غعمل نے ذرا سادرووازہ کھول کر پوچھا.....

"شاب پچا آپ دو دھمکیں گے؟ ....."

شاب بھائی کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

"اشفاق شد ہے تمیرے پاس ..... "شاب بھائی نے پوچھا

خان صاحب پنگ پر اپنی مخصوص نشست میں ایک بازو سرتلے، ایک زانو کھڑی نانگ پر، دوسرا نانگ دھرے پاؤں کے تکوے پر ہاتھ جائے ہوئے تھے۔

"ہاں یار ہے تو کسی پر وہ چھوٹی کھمی کا شد ہے اور آنکھیں ڈالنے کے لئے چیچاڑ طنی سے منگوایا ہے۔"

اٹیاٹھ کھڑا ہوا اور شد کی بوتل تلاش کرنے کے لئے باورچی خانے میں چلا گیا۔  
 ”غزل ایک جج بادام روغن اور ایک جج شد کی ملا کر لانا.....“  
 غزل اتنی خوشی سے گئی جیسے غزال صحرائیں چوکڑیاں بھرتا جاتا ہے.....  
 اب خان اور شاب بھائی میں شد پر گفتگو ہونے لگی۔  
 ”یار بڑا من گا شد ہے اور صرف آنکھوں میں ڈالنا چاہئے.....“

دونوں دوست اب خوش دلی سے کتنی ہی دیر شد، اس کی وصولی، استعمال، دریافت، افادیت پر باتیں کرتے رہے۔ ہمیں پتہ نہ چلا کہ کس وقت غزل دودھ میں شد، اور بادام روغن ملا کر لے آئی۔ جس وقت وہ دودھ پلی رہے تھے دروازے پر دستک ہوئی۔ انیں کے دوستوں کی ایک کھیپ اندر آئی اور شاب بھائی کے ارد گرد گھیرے میں بیٹھے گئی۔ پتہ نہیں شاب بھائی میں وہ کیا کر شد، حسن، ٹھکھا و تھا کہ نوجوان ان کے پاس بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ عام طور پر یہ نوجوان ”سلام انکل سلام آنٹی“ کہہ کر پلا چھڑایا کرتے ہیں لیکن شاب بھائی کو دیکھ کر آزاد پرندے بسram کرنے لگتے۔ کوئی کرسی پر آگے ہو کر کوئی کھڑے زانو کے گرد بازو لپیٹ کر کوئی سر جھکائے چپ چاپ ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے بیٹھ جاتا، سب نوجوان ان کے حکم، ارشاد، گفتگو، کی راہ دیکھتے اور لطف کی باتیں یہ کہ ان سب کو بھی علم نہ ہوتا کہ وہ کسی ندی کے بننے، پھول کے کھلنے، ہوا کے چلنے کے منتظر ہیں۔

اس روز ارشاد ہوا.....

”ہاں تو قاسم تم پوچھتے ہو کہ اگر میں اس ملک کا بادشاہ بن جاؤں تو کیا کروں؟.....“  
 ”جی چا۔.....“ قاسم نے یعنیوں کے پیچھے سے جیران آنکھوں سے پوچھا۔

شاب بھائی سے سیاست پر بہت کم باتیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ کبھی کبھی اخبار کی سر خیاں پڑھ کر مسکرا یا کرتے اور چھوٹے چھوٹے نقوشوں میں ان سرخیوں کے بے معنی بن پر تبصرہ کرتے رہتے لیکن سیاست پر نہ کبھی انہوں نے دھو ای دھار تقریر کی نہ لیے چوڑے مباحثوں میں شمولیت کی۔

”پھر چا جو آپ پاکستان کا بادشاہ بن جائیں تو کیا کریں.....“

اٹیخ خال نے خنگی سے قاسم اور میں کی طرف دیکھا۔

”میں کیا کروں.....؟ کچھ بھی نہیں.....“ شاب بھائی مسکرا کر بولے۔

”کوئی رفارم ہوں گی..... زرعی یا اصلاحی.....“ شاہد افضل بولا۔

”نہیں بچا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”بس میں آرام سے پا دشاہت کروں..... زیادہ سے زیادہ رشوت کو legalize کر دوں۔ کچھ لوگوں کا کام اگر حکومت کے کارندے جلدی کر دیں تو کچھ حق خدمت لیگل ہو..... دسویں تک امتحان

موقوف..... صرف حاضری سونی صد ہو..... بعد میں دسویں کی ڈگری مل جائے۔“  
شہاب افضل جو شیلانوجوان ہے۔ وہ چمک کر بولا..... ”لیکن چچا یہ کیسے پتہ چلے گا کہ دسویں کا کورس اسے آ گیا ہے..... ”

شہاب بھائی بڑی خوش دلی سے بولے..... ”جودس سال سکول آتار ہے گا تو کچھ نہ کچھ تو سیکھ ہی جائے گا ویسے بھی آخر دسویں پاس کو آتائی کیا ہے..... ”

سارے دسویں پاس لڑکے لڑکیاں ایسے خوش ہو گئے جیسے انہوں نے فری دسویں پاس کر لی ہو.....

”شہاب چچا پر ٹیکریز بتائیں کیا آپ کوئی تبدیلی نہیں لائیں گے..... کوئی بھی؟..... ”

قاسم کچھ کر گزرنے والا نوجوان تھا اس کی خواہش تھی کہ پاکستان میں کچھ ریڈیکل ہوا وہ اس غیریادی تبدیلی میں اہم حصہ لے۔

”ہر سو سالی، ہر معاشرہ، ہر وقت تبدیل ہو رہا ہے کچھ تبدیلیاں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ کچھ تہہ در تہہ ہو رہی ہیں۔ آمد و رفت کے وسائل سے، میڈیا کے ویلے سے دنیا سکڑ رہی ہے اب جو کچھ مشرق بعید میں ہوتا ہے دور دور تک مغرب میں اثر رکھتا ہے..... مختلف نسلوں اور رنگوں کے لوگ عجیب نہیں لگتے۔ پلکھوں کا بعد کم ہو رہا ہے تبدیلی ظاہری اور باطنی ہوتی رہتی ہے لیکن ایک بہت باریک سی تبدیلی ہے جو اللہ کی مشیت سے آتی رہتی ہے۔ جو شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے جو کچھ ہو گا اسی کے حکم سے ہو رہا ہے وہ ان فروعی تبدیلیوں سے پریشان نہیں ہو گا..... جیسے کسی معزز شری کی آمد سے پلے پنڈاں میں کریساں لگتی ہیں۔ شامیانے کی طباہیں کسی جاتی ہیں۔ ڈائیس بنتا ہے..... ایک خالی خوبی میدان میں جب بہت ساری تبدیلیاں خاطر خواہ طور پر آ جاتی ہیں تو پھر صاحب صدر کی سواری آتی ہے..... ”

”یعنی کچھ نہیں بدلتا؟..... بس ایسے ہی رہنے دیں سب کچھ؟..... ”

شہاب بھائی دو دھن پیتے رہے پھر بڑی دیر بعد بولے..... ”اس باریک تبدیلی کو پہچانے کی کوشش کرنی ہے، اس کا دھاگہ کپڑا ہے، پھر اندر باہر جو بدلتا ہے بدلتے پر دھاگے کو نہیں چھوڑتا..... آپ سب جانتے ہیں۔ جو تبدیلی ہم خود لاتے ہیں اس میں کچھ اچھا ہوتا ہے کچھ بردا..... لیکن جو تبدیلی اللہ لاتا ہے وہ ساری کی ساری اچھی ہوتی اس میں اچھا برالملا جانا نہیں ہوتا..... ”

سارے لڑکے لڑکیاں خوش خوش اٹھ گئے۔

کچھ نے یہ جانا کہ سائینڈر نزپر شہاب چچا بارا ارض نہیں کیونکہ یہ تبدیلی فروعی ہے ایک دونے یہ سمجھا کہ میڈیا اور ٹرانسپورٹ دراصل فالصلوں کو کم کرنے کی انسٹی ٹیوشن ہیں۔ چند نے سوچا کہ شہاب بھائی تو بڑے پروگریسوپیں۔ رشتہ کو بھی لیگا لائیز کر رہے ہیں۔

ایک لڑکی نے سر سے دو پڑھ اتار دیا اور سمجھ گئی کہ جو شخص امتحان ہی نہیں چاہتا اس سے کیا ذرنا۔ جو

انگشتا نہ بھر کا وہ انگلی کے پوٹے بھر ساتھ لے گیا۔ جو دیک ساتھ لا یا تھا وہ بے شمار سیست لے گیا۔ انہی سب میں کہیں اشیخ خال بھی تھا جو بے قراری کے عالم میں کبھی آتا کبھی جاتا..... نہ وہ سنتا تھا سمجھتا تھا پر کہیں سے شاب بھائی کے وجود سے اسے کرنٹ مل رہی تھی اور وہ چوزے کی طرح اس محبت بھرے سینک کو محسوس کر رہا تھا۔ گرمیاں تھیں۔

موسم اپنی شدت سے جامن اور آم پکانے میں مصروف تھا۔ صحیح اعجاز بیالوی مکھن سے بھرا کنورادے گئے، دن چڑھے پر جیلہ باشی نے آموں کی چیزیں بیچ دی دوپر کے کھانے پر شیم فاطمہ نے تمیل بھر جامن بھجوائے۔ شام کو دھرم پورے کے ذیرے پاک سے کھانا آگیا۔ اقبال بھائی آئے تو ان کی کار میں سیٹ بھر ٹوب روز کے لگدست تھے..... غفارانی لیتھہ میشین پر شین لیں شیل کی گرا ریاں بنالایا..... عکسی مفتی چند گھنٹے ٹھرا اور خان کے لئے سوی کے جوڑے دے گیا..... بھائی ابو الحسن اور سعیدہ جی خوبصورت اجرک اور چادریں چھوڑ گئے۔ پروین عاطف خوبی بو تلیں دھر کر غائب ہو گئی ..... عشرت نے ملماں سے انور انوں کی پیشیاں بیچ دیں۔ ڈاکٹر مسعود اختر داتا دربار کے ہار لے کر حاضر ہو گئے۔ یہ ہیشہ ہوتا تھا۔ اور شاب بھائی کاسنی کرے میں ٹھرتے ادھر نعمتیں گھر کا طواف کرنے لگتیں۔ جس طرح بر سات کی شاموں میں پتھنے روشنی پر گرتے ہیں۔ ایسے ہی ان جانے لوگ، لفافے، طشت، شاپ، توکریاں، چھا بے لے کر آتے رہتے۔ وہ سب بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ خوشی کیوں ہے؟ اور ہم جو ہاتھ پر ہمارہ ہا کر ”فتحات“ قبول کرتے ہیں بھی علم نہ تھا کہ کاسنی کرے والے کی برکت سے یہاڑاں پھول اور پھل فضا کو مکانے کے لئے آتے ہیں۔

اس شام ہم شاب بھائی کی فتحات کے آم کھار ہے تھے لیکن فضابو جھل تھی خان صاحب آم کاث کر دے رہے تھے وہ آم کے دونوں جانب کے قتلے کاث کر شاب بھائی کو دیتے اور خود گھٹھلی کھانے لگتے۔ کچھ دیر بعد شاب بھائی بولے..... ”یار اشراق یہ تو ہیشہ کیوں غریبو سا گھٹھلی کھانے لگتا ہے، آج قتلے تو کھائے گا اور گھٹھلی مجھے دے گا۔“

شاب بھائی غریبو سی گھٹھلی کھاتے رہے اور چھوٹی چھوٹی مزے دار باتوں سے فضا کو اجائتے رہے لیکن اس روز فضامیں نبی پچانوے نے صد تھی ان کی باتوں سے بھی چھروں پر خوشی نہ آئی۔ دراصل ہم تینوں صدیقہ جاوید سے مل کر آرہے تھے چودھری برکت علی کی بیٹی، ادب لطیف کی ایڈیٹر صدیقہ بیگم کے شوہر اور خان صاحب کے بھائیجے جاوید طارق نے دوسری شادی کر لی تھی اور صدیقہ سے ملنے کے بعد ہم تینوں کے دلوں پر عجیب قسم کا پوچھ تھا۔ فضامیں صدیقہ کے آنسوؤں کی سیلیں تھی بڑی دیر کے بعد ارشاد ہوا..... ”اشراق..... ہم لوگ غم اور Bitterness میں فرق نہیں کرتے۔ غم بڑی مفید چیز ہے یہ اللہ کی

رضا کو سمجھنے کا ایک طریقہ ہے۔ اپنی شخصیت اور عاقبت سنوارنے کے لئے اہم ہے۔ غم نہ ہو تو زندگی آدمی رہ جائے لیکن غم میں bitter ہو جانا، اپنے آپ سے بھی نا انصافی ہے اور اللہ پر لوگ کے بھی منافی ہے۔ صدیقہ کو چاہئے کہ وہ غم کرے، آنسو بھائے اس سے اللہ کی رحمت جاگتی ہے تلافی کے امکانات بڑھتے ہیں لوگوں کی ہمدردی، محبت حاصل ہوتی ہے۔ غم میں نہ ساتھی ملتے ہیں۔ زخم پر چاہے رکھنے والوں کا ساتھ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب آدمی تلخ ہو جائے تو وہ جھگڑے میں پڑ جاتا ہے اپنا استحقاق سمجھ کر منوانے کی خدمت کرتا ہے۔ حاصل حصل تو وہی ہوتا ہے اور دنیاوی طور پر بھی کافی ایسے نقصان ہو جاتے ہیں میں شخصیت تباہ ہوتی ہے اللہ پر ایمان کمزور ہوتا ہے اور دنیاوی طور پر بھی کافی ایسے نقصان ہو جاتے ہیں جن کی تلافی ممکن نہیں رہتی اگر تمہارا صدیقہ پر کچھ احتیار ہے تو تم اسے بھی سمجھاؤ۔ غم کرے۔ آنسو بھائے لیکن جھگڑا نہ کرے۔ تلخ نہ ہو، تندی میں نہ آئے، راضی بر ضار ہے۔

ہمارا صدیقہ پر کوئی اختیار نہ تھا۔ اس کے آنسو نتے بے ساختہ اور چھروں یوں مظلوم تھا کہ اس کے سامنے ہم دونوں کی زبان بند ہو جاتی۔ فروعی باتیں ہوتی رہتیں۔ شاب بھائی کی بات کا اعادہ ممکن نہ ہوتا۔

فیض ڈے والی رات کا ذکر ہے۔

اس روز الحمراء کے ہال نمبر ایک میں لوگ بڑے دھوم دھام سے فیض صاحب کی یاد کو نذر انے دینے کے لئے آئے تھے۔ ہال میں قل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ شاب بھائی صدارت کر رہے تھے۔ تصویریں سمجھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی مجھے احساس ہوتا چیزے شاب بھائی موجود نہیں ہیں۔ جب فٹکشن کے بعد ہم گھر آ رہے تھے تو کار میں میں نے پوچھا۔۔۔ ”شاب بھائی کبھی کبھی آپ غائب ہو جاتے تھے..... وہ کیوں؟“

شاب بھائی مسکرانے اور بولے۔۔۔ ”مجھے جب وقت ملتا ہے میں اندر کی ٹکنکی چالا میتا ہوں۔۔۔“ ”اندر کی ٹکنکی؟۔۔۔“ خال صاحب نے پوچھا۔۔۔ ”یار ایس پورٹ ہو۔۔۔ پلیٹ فارم ہو۔۔۔ کوئی ایسی جگہ ہو جماں لمبا چوڑا انتظار ہو تو میں اندر ذکر شروع کر دیتا ہوں۔۔۔ پھر نہ وقت کا پتہ چلتا ہے نہ میں کبھی بورہ ہوتا ہوں۔۔۔“ ”قدرت یہ تو کیسے کرتا ہے دنیا کا ہر کام بھی کر لیتا ہے اور اندر کی کمپس بھی درست رکھتا ہے۔۔۔ کیسے؟ کیسے کیسے؟؟“

خال نے کارکی وہیل پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ”اگر تم کسی سے میری ٹکنکی کا ذکر نہ کرو تو میں تمیں دنیا کو دین بنا نے کا نخدودے سکتا ہوں۔۔۔“ ”ہم دونوں خوشی سے اچھے اور وعدہ کر لیا۔۔۔“